دارالافتاء

مولانا سیف الرحمٰن۔ بی اے

غوث، قطب اور ابدال

کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے

مشرکینِ مکہ۔ مکہ کے مشرک نہایت ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کی رسومات پر جان دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے وہ بتوں کے پجاری اور بت تراش بھی تھے۔ ہر گھر میں بت موجود تھے حتیٰ کہ خانۂ خدا جیسا مقدس مقام بھی ان بتوں کی پلیدگی سے محفوظ نہ تھا۔ ان کے عقائدِ باطلہ اور آراء فاسدہ کا قرآن کریم نے جابجا ذکر کیا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو صرف اللہ واحد لاشریک کو پکارتے اور کہتے الٰہی! ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا۔ بس پھر ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔" مگر جب ان کی مصیبت رفع ہوتی تو اللہ کی کرم نوازی بھلا کر پھر اپنے بتوں کی طرف رجوع کرتے اور کہتے یہ سب کچھ ان کی طفیل ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس بات کا شاہد ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے اور کشتی کو چاروں اطراف سے موجیں گھیر لیتیں تو سب کچھ بھول جاتے۔ پھر خدا یاد آتا۔ اور اسے پکارتے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس) الٰہی! ہمیں اس مصیبت سے نجات دے پھر ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔

لیکن جب کشتی ساحلِ سلامتی پر پہنچتی تو پھر اللہ کے آستانہ کو چھوڑ کر اوروں کے در و دیوار کے سامنے سر جھکاتے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (عنکبوت) جب وہ (مشرک) کشتی میں سوار ہوتے تو صرف اللہ کو پکارتے اور دینِ خالص اسی کا سمجھتے لیکن جب ان کی کشتی ساحلِ سمندر پر پہنچا کر نجات دیتا تو پھر شرک کرتے (یعنی کہتے کہ ہم نے فلاں بزرگ یا فلاں بت کی طفیل نجات پائی) دورِ حاضر کے مشرکین۔ مگر ہمارے زمانہ کے مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ کی بارگاہ میں دستِ دعا پھیلانے اور اغثنی یا اللہ، یاحی یا قیوم برحمتک استغیث وغیرہ وظائف اور دعائیں کرنے کے بجائے صلوٰۃِ مکتوبہ کے بعد صلوٰۃِ غوثیہ

کا اہتمام کرتے ہیں جو قبلہ رُخ ہونے کے بجائے بجانبِ شمال منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ۔ یہ نماز شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام کی پڑھتے ہیں ۔ حالانکہ پیر صاحب نے نہ یہ نماز خود ہی پڑھی اور نہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب میں اس کا ذکر کیا ۔ پھر خدا جانے ان لوگوں نے کہاں سے صلوٰۃِ غوثیہ اور صلوٰۃِ رجبیہ وغیرہ کا صلوٰۃِ مکتوبہ کے ساتھ ٹانکا لگا دیا ہے ۔ اگر آج پیر صاحب اس عالم رنگ و بو میں تشریف فرما ہوتے تو ان پر خوش ہونے کے بجائے ان کے اس فعل پر سخت ناراض ہوتے اور ان پر بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کرتے کیونکہ یہ نمازیں وہ ہیں جن کے متعلق ما انزل اللہ بھا من سلطان ۔

زیر بر آں مسجد میں بیٹھ کر مسنون ذکر الٰہی کو ترک کر کے یا غوثِ اعظم کا شرکیہ وظیفہ کرتے ہیں یا اس مشرکانہ وظیفے کی رٹ لگاتے ہیں ۔

امداد کن امداد کن در دین و دنیا شاد کن

از بندِ غم آزاد کن یا شیخ عبدالقادرا

یا حضرت معین الدین چشتیؒ کو اپنا کامل حاجت روا اور مشکلکشا تصور کرتے ہوئے اس مشرکانہ وظیفے کو زور شور سے پڑھتے ہیں ۔

یا معین الدین چشتی در گرداب بلا افتاد کشتی

ایسے مشرکانہ وظائف پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں ۔ بلکہ اپنی مسجدوں اور مدارس کے نام بھی غوثیہ اور جیلانیہ رکھتے ہیں اور مسجدوں کے سامنے جلی حروف میں یا غوثِ اعظم یا غوث الثقلین یا غوث المستغیثین یا غوثِ پاک وغیرہ لکھتے ہوئے نہیں ہچکچاتے ۔

دونوں کا موازنہ ۔ آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا سوچیے اور غور کیجیے ۔ پھر بتایئے کہ دورِ حاضر کے مشرکوں اور مشرکینِ مکہ میں کون سا نمایاں فرق ہے جس کے باعث ان کو اسلام کے شیدائی اور ان کو اسلام کے دشمن تصور کیا جاتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مماثل ہیں اور مشرک ہونے میں ان میں کوئی فرق نہیں ۔ اگر کوئی ظاہری فرق نظر آتا ہے تو بس یہی کہ یہ مسجدیں اگر بیٹھے برائے نام رسمی نماز پڑھتے ہیں ۔ پھر مشرکانہ وظائف اور تصورِ شیخ میں محو ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کے منکر تھے ۔ وہ نماز کی آڑ میں بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ علی الاعلان اپنے گھروں میں بت رکھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے جھکتے تھے ۔ یہاں یہ بات قابلِ غور و فکر ہے کہ وہ مشرک اور کافر اور اللہ سے دور ہونے کے باوجود مصیبت اور تنگی کے موقع پر تمام سہاروں کو چھوڑ کر اسی رب العزت

اسے اختیار ہوتا ہے کہ اسے قصاصاً قتل کر دیا جائے۔ تو پھر نہ معلوم اس سے حدِ قصاص کو کیوں نوع سمجھا گیا ہے۔

قولہ: مقتول کا ولی ایسا شخص نہ ہو جس کو قاتل سے قصاص کا حق نہ ہو (شرط نمبر ۲)

اقول: تو پھر وہ ولی کس چیز کا ہوا؟

فائدہ: مزید تفصیل میں جانے سے قبل ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ پیش آمدہ مسئلہ میں احناف اور جمہور محدثین کا اختلاف دو باتوں پر مبنی ہے (۱) عصمتِ دم دار الاسلام پر مبنی ہے یا اسلام پر (۲) خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص درست ہے یا نہیں۔

۱۔ اول الذکر میں جمہور محدثین کا مسلک ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہو اسے ابدی عصمتِ دم حاصل ہوگی۔ کیونکہ اسے یہ اعزاز بوجہ اسلام حاصل ہوا ہے چنانچہ جب تک اسلام ہے اس اعزاز کو سلب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن احناف کے نزدیک انسان اگر دار الاسلام میں آجائے تو اسے بھی عصمت ابدیہ حاصل ہوگی خواہ وہ ذمی ہو یا کوئی اور — جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں چلا جائے تو اس کی عصمتِ دم ختم ہو جائے گی اور کوئی کافر دار الاسلام میں آجائے تو اسے عصمت حاصل ہو جائے گی — اس بحث کو ہم سر دست موقوف رکھتے ہوئے قارئین سے انصاف کی بھیک مانگتے ہیں کہ وہ فرمائیں کہ یہ نقطۂ نظر کس حد تک روحِ اسلام سے تطابق رکھتا ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ۱۹۴۷ء کے واقعہ پر اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جن مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا ان پر فردِ جرم عاید نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دار الحرب میں تھے یا پھر یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ احناف نے ابھی تک ہندوستان کو دار الحرب قرار ہی نہ دیا تھا۔ اسی طرح پاکستان میں جن سکھوں وغیرہ کو قتل کیا گیا وہ مسلمان ماخوذ ہوں گے کیونکہ یہ دار الاسلام تھا خواہ وہ ذمی تھے یا نہیں — یا پھر احناف نے ابھی تک پاکستان کو دار الاسلام باور ہی نہ کیا تھا۔

۲۔ جہاں تک ثانی الذکر مسئلے کا تعلق ہے یہ علماء کے نزدیک بڑا اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جس میں احناف اور جمہور محدثین کا خاصا اختلاف ہے۔ احناف خبرِ احاد کے ساتھ عموماتِ قرآن کے قائل نہیں جبکہ جمہور محدثین قائل ہیں۔ یہ اوراق اس بات کے متحمل نہیں کہ اس مسئلہ کو بالتفصیل لکھا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام کی ہر حدیثِ صحیح خواہ متواتر ہو یا احاد سے قرآن مجید میں تخصیص ہو سکتی ہے ورنہ بہت سے امور ایسے رہ جائیں گے جو اجمال پر مبنی ہیں اور ان کی تفصیل و تشریح حدیث کے علاوہ ممکن نہیں اور خبرِ احاد سے متعلق

اس منفی اصول کو اپنانا درحقیقت اسلامی مجموعہ قوانین و احکام سے راہِ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے کہ:

لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد)

اور علامہ ابن القیمؒ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو رد کر دینے کا سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہے کہ ظاہر کتاب کا جو مفہوم کوئی شخص سمجھ رہا ہے وہی صحیح ہے تو اگر سنن رد کر دی جائیں گی اور بالکلیہ باطل قرار پائیں گی اور جو کوئی بھی چاہے عموم یا اطلاقِ آیات کے بہانہ سے اپنے مذہب کے خلاف ہر سنت صحیحہ کا رد کر سکتا ہے وہ بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ یہ سنت اس فلاں عموم قرآنی کے مخالف ہے یا اس اطلاق کے خلاف پائی جاتی ہے لہٰذا ناقابلِ عمل ہے جیسے روافض نے یہ حدیث رد کر دی۔ "نحن معاشر الانبیاء لا نورث" اور دلیل میں قرآن کا یہ عموم لائے ہیں کہ "یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ" الآ لہٰذا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے فہمِ قرآن کے مطابق کسی سنت کو رد کر دے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کا ضعیف ہونا ثابت کر دے (حیات ابن حنبل ص ۳۲۵)

بہرحال احناف نے یہ اصول دراصل اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے وضع کیا ہے ورنہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ کسی طرح بھی قابلِ فہم و عمل نہیں چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ احناف کے اس اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ومن الطائف التی تلما ظفر- لحفظ مذھبہ ما اخترعتہ المتاخرون لحفظ مذھب ابی حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون بھا جمیعا ما یحتج بہ علیھم من الاحادیث الصحیحۃ" (فتاویٰ عزیزیہ ص ۶۶/۱۴۰)

شاہ صاحب کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے تمام اصول بعد میں آنے والوں نے حسب منشا بنائے ہیں تاکہ ان کی آڑ میں خلافِ مذہب احادیث صحیحہ کو رد کیا جا سکے حالانکہ ایسے حسبِ مفاد خودساختہ اصولوں سے حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حدیث بہرکیف ان وضعی قواعد سے اعلیٰ و افضل اور واجب العمل ہے، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:-

فان رعایۃ الحدیث اوجب من رعایۃ تلک القاعدۃ المخرجۃ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶/۱۴۰)

اور در حقیقت ان اصولوں کا امام ابو حنیفہؒ کی طرف انتساب بہت بڑی زیادتی و جسارت ہے اور ان کی طرف یہ نسبت بالکل غلط ہے کیونکہ یہ تمام قاعدے متاخرین کی سعی ناتشکور کا ثمرہ ہیں جنھوں نے اپنے مذہب کے بے جا تحفظ کے لیے یہ قوانین وضع فرمائے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

وھذہ الاصول المذکورۃ فی کتاب البزدوی ونحوہ وانما الحق ان اکثرا صول مخرجۃ علی قولھم وعندی ان المسئلۃ القائلۃ بان الخاص مبین لا یلحقہ البیان وان الزیادۃ نسخ وان العام کالخاص واشال ذلک اصول مخرجۃ علی کلام الائمۃ وانھا لا تصح بھا روایۃ عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۶۰)

استاذ ابو زہرہ احناف کے اس نظریے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الفاظ خصوص و عموم سے متعلق مسائل اور ان کے ظنی اور قطعی ہونے کے اعتبار سے ان کی دلالت کی نسبت فقہائے عراق کے سرخیل امام ابو حنیفہؒ کی طرف کیسی بھی ہو ان کے شواہد سے اہل الرائے کے ذاتی رجحانات کا اندازہ ہو جاتا ہے مگر اس رجحان کو یہ قول ان کے یہاں احادیث صحیحہ کی قلت یا ان تک پہنچنے والے بعض آثار ہیں .... آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زیادہ تر نصوص قرآنیہ میں حجت لانے میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس موضوع پر وارد شدہ احادیث کی طرف چنداں توجہ نہیں دیتے (حیات ابو حنیفہؒ ص۴۱۲)

استاذ موصوف نے ایک اور جگہ امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک کا اعتذار کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

شاید امام ابو حنیفہؒ کے تنہا نص قرآنی پر اعتماد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو احادیث کی رسائی حاصل نہ ہو سکی اگر احادیث ان تک پہنچ جاتیں تو تبیین و تشریح قرآنی میں ضرور ان سے مدد لیتے۔ (حیات امام ابو حنیفہ ص۴۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا عموم قرآن کی تخصیص نہ کرنا اور اس کا ثبوت نہ ملنا اس بنا پر نہیں کہ امام صاحب تخصیص کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ احادیث آپ تک نہیں پہنچیں۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سنت کو بالائے طاق رکھ کر قرآن مجید کے مطالب و معانی نہیں سمجھے جا سکتے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہیں کہ نہ دونوں آپس میں متعارض و متصادم ہیں نہ ایک سے دوسرے کا انقطاع ممکن ہے اور سنت ہر حال میں قرآن مجید کی تبیین و تشریح ہے چاہے وہ متواتر کی

صورت میں ہو یا احاد کی — اور سنت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کیونکہ اس کے بغیر کتاب و سنت سے استفادہ ناممکن ہے اور جو حضرات احادیث کو چھوڑ کر محض قرآن پر اکتفا کرنے کے قائل ہیں وہ دراصل ضلالت میں ہیں جیسا کہ متعدد آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس پر دال و شاہد ہیں۔

نیز بات یہیں ختم نہیں ہوتی، ہم سینکڑوں مسائل ایسے دکھا سکتے ہیں جن میں خود احناف نے اپنے وضع کردہ اس اصول کی مخالفت کرتے ہوئے قرآنی عمومات کی تخصیص اور مطلقات کی تقیید کی ہے مثلاً وضو میں مطلق راس کی ربع راس کے ساتھ تقیید کس دلیل سے ہے (۲) قہقہہ سے وضو ٹوٹنا کس دلیل سے ہے اس میں تو صحیح خبر احاد بھی پیش نہیں کر سکتے (۳) ایک تکبیر کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تقیید کس دلیل سے (۴) دیہات میں جمعہ ناجائز کہنا کس دلیل سے ہے (۵) ولادت وغیرہ کے مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی معتبر ہونی کس دلیل سے ہے (۶) ایک وضوء سے کئی وقت کی نماز کا پڑھنی کس دلیل سے (۷) نماز کے اوقات پنجگانہ کی تحدید کس دلیل سے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح صرف نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہی کے متعدد مسائل ہیں جن میں احناف نے خبر احاد ہی نہیں بلکہ قیاس سے بھی تخصیص و تحدید اور تقیید فرمائی ہے اور کوئی خبر متواتر موجود نہیں ہوتی۔

؎ جب تیری زلف میں آئی تو حسن کہلائی ۔ وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

عود الی المقصود۔ بحث رواں کے مقدمات پر طائرانہ نظر کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی موصوف نے دوسرے مسئلہ کے ضمن میں فریقِ ثانی کے دلائل کا تجزیہ کیے بغیر احناف کے دلائل ذکر کرنے ہی اکتفا کیا ہے بنا بریں ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ہم فریقین کے دلائل قارئین کے سامنے رکھیں تاکہ وہ خود فیصلہ فرمائیں کہ آیا دلائل کی روشنی میں ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنا چاہیے یا نہیں؟

واضح رہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے کے قائلین میں امام شافعی، امام احمد اور ثوری وغیرہ شامل ہیں جبکہ قتل کے قائلین میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ ہیں چنانچہ علامہ ابنِ رشد اس تفصیل کو یوں نقل فرماتے ہیں کہ:۔

واما قتل المومن بالكافر الذمي فاختلف في ذلك على ثلاثة اقوال فقال قوم لا يقتل مومن بكافر وممن قال به الشافعي والثوري واحمد و داؤد وجماعة وقال قوم يقتل به وممن قال به ابوحنيفة واصحابه وابن ابي ليلى (بداية المجتهد ص۳۶۹ ج۲)

یاد رہے تیسرا مسلک امام مالک وغیرہ کا ہے جو کہ تفریق پر مبنی ہے جسے یہاں بوجہ اختصار

ترک کیا جاتا ہے۔

دلائل فریق اول۔ امام شافعی وغیرہ نے قرآن و حدیث کے علاوہ آثار سے بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے واضح ہوگا چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں قرآن سے استدلال کرتے ہوئے درج ذیل آیات پیش کی ہیں۔

۱۔ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (نساء)

علامہ شوکانی اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ولو کان للکافر ان یقتص من المسلم لکان فی ذلک اعظم سبیل وقد نفی اللہ تعالیٰ ان یکون له علیه سبیل نفیا مؤکدا۔ (نیل الاوطار ج ۷ ص ۲)

۲۔ لَا يَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (حشر)

علامہ کاسانی حنفیؒ اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الا تری ان المسلم مشهود له بالسعادة والکافر مشهود له بالشقاء فانی یتساویان"

نیز فرماتے ہیں کہ: ولان المساواة شرط وجوب القصاص ولامساواة بین المسلم والکافر (البدائع والصنائع ج ۱۰ ص ۴۶۲۵)

۳۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (قلم)

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ (سجدہ)

ان آیات کو ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فوجب یقینا ان المسلم لیس کالکافر فی شئ اصلا ولا یساویه فی شئ فاذا هو کذلک فباطل ان یکافئ دمه بدمه او عضوه بعضوه او بشرته ببشرته فبطل ان یستقاد للکافر من المومن او یقتص له منه فیما دون النفس اذلامساواة بینهما اصلا ولما منع اللہ عزوجل ان یجعل للکافرین علی المومنین سبیلا۔ ووجب ضرورة ان لا یکون له علیه سبیل فی قود ولا فی قصاص اصلا ووجب ضرورة استعمال النصوص کلها اذ لا یحل ترک شئ منها۔ (محلی ابن حزم ج ۱۰ ص ۳۵۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا حکم ہرگز ذمی وغیرہ کے حکم جیسا نہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ایسی ہیں جن سے یہی مفہوم ادا ہوتا ہے جن کو اختصار کے پیش نظر موقوف کیا جاتا ہے۔

احادیث۔ فریق اول نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ:

فعمدة الفريق الاول ما روى من حديث على انه سأله قيس بن عبادة والاشتر هل عهد اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عهدا لم يعهده الى الناس قال لا الا ما فى كتابى هذا واخرجه كتابا من قراب سيفه فاذا فيه المؤمنون تتكافأ دماءهم ويسعى بذمتهم ادناهم وهم يد على من سواهم الا لا يقتل مومن بكافر ولا ذو عهد فى عهده من احدث حدثا او اوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (بداية المجتهد ص۲۹۹ ج۲)

۲۔ یہی روایت بالفاظ دیگر ابو جحیفہ کے واسطہ سے بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور مسند احمد میں بھی آتی ہے۔ اور حضرت علیؓ ہی سے ایک روایت احمد، نسائی، ابوداؤد میں بھی بایں الفاظ منقول ہے۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم قال المومنون تتكافأ دماءهم وهم يد على من سواهم ويسعى بذمتهم ادناهم الا لا يقتل مومن بكافر ولا ذو عهد فى عهده۔

۳ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى صلى الله عليه وسلم قضى ان لا يقتل مسلم بكافر (ولا ذو عهد فى عهده) (ترمذی ابوداؤد واحمد وابن ماجہ)

ناظمی صاحب اور ان کے پیش رو حضرات نے اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے جو عطف کا مسئلہ پیش کیا ہے کہ معاہد کے مقابلہ میں حربی ہوتا ہے لہذا یہاں مراد کافر حربی ہے۔ اس کے حافظ ابن حجرؒ نے فتح اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں متعدد جواب دیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شبہ دراصل اصول سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ علامہ مبارکپوریؒ اس شبہ کے ازالہ میں فرماتے ہیں کہ:

"بان هذا مفهوم صفة والخلاف فى العمل به مشهور بين ائمة الاصول ومن جملة القائلين بعدم العمل به الحنيفية فكيف يصح احتجاجهم به (تحفة الاحوذى ص۳۱۲ ج۲)

اور علامہ شوکانیؒ مختلف جوابات دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

بان الصحيح المعلوم من كلام المحققين من النحاة وهو الذى نص عليه

الوصی انہ لا یلزم اشتراک المعطوف والمعطوف علیہ الا فی الحکم الذی لاجلہ وقع العطف وھو ھھنا النھی عن القتل مطلقا من غیر نظر الی کونہ قصاصا او غیر قصاص فلا یستلزم کون احدی الجملتین فی القصاص ان تکون الاخری مثلھا حتی یثبت ذلک التقدیر المدعی (نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱)

بہرحال یہ شبہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا جس بنا پر اس حدیث پر کوئی آنچ آسکے۔ ومن یرید التفصیل فلیراجع فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۶۱)

اور علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں التنقیح کے حوالے سے ان احادیث کو صحیح الاسناد اور حسن کہا ہے۔

۴۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"لا یحل قتل مسلم الا فی احدی ثلاث، خصال زان محصن فیرجم ورجل یقتل مسلما متعمد اور جل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ ورسول فیقتل او یصلب او ینفی من الارض (ابوداؤد۔ نسائی)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کا قتل چونکہ ان تینوں اقسام کے قبیل سے نہیں لہذا اس کی وجہ سے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ: کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین قریش والانصار ان لا یقتل مومن بکافر (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۹۸)

۶۔ علامہ شوکانیؒ نے اس ضمن میں اس حدیث کو بھی پیش کیا ہے کہ الاسلام یعلوا ولا یعلی یعنی جب ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا تو غیر شعوری طور پر اسلام کی پستی ہوگی۔ اور ذمی پر مسلمان کی فوقیت دراصل اسلام کی برتری کا ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک یہودی نے کہا کہ والذی اصطفیٰ موسیٰ علی البشر تو مسلمان نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ نبی علیہ السلام کے پاس شکایت گئی تو آپ نے اس سے قصاص نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی فضیلت کا تقاضا ہے کہ اسے ذمی کے مساوی قرار نہ دیا جائے اور یاد رہے کہ احناف کے نزدیک تھپڑ مارنے میں بھی قصاص ہے تو نہ معلوم احناف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عدم قصاص کو کس چیز پر محمول فرمائیں۔

آثار:۔ امام مکحولؒ حضرت عمرؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔